۴۔ متن کے مطابق خالی جگہ پُر کریں۔

(الف) بیگم خواجہ کو وہ بے نقط سُنائیں کہ وہ بے چاری زلزلے کو بھول گئی۔

(ب) اکٹھے رکھے ہوئے دو برتن بھی ٹکرا کر بجتے ہیں۔

(ج) اُن کی باتوں میں دعائیں کم اور بدُعائیں زیادہ ہوتی تھیں۔

(د) جیسے مریض بے نمک کا کھانا کھانے پر مجبور ہوتا ہے۔

(ہ) بیگم خواجہ اپنے مرنے کی بدُعا سُن کر مُسکرا رہی تھی۔

۴۔ ان الفاظ پر سامنے دیے گئے معنی کے مطابق اعراب لگائیں

عَالِم (علم والا) عَالَم (حالت، دُنیا) عِلْم (معلومات) عَلَم (جھنڈا)

مِلْک (جاگیر، جائداد) مَلَک (فرشتہ) مَلِک (بادشاہ، حاکم)

مُلْک (وطن)

۵۔ اس سبق میں امدادی افعال کی نشاندہی کریں۔

رموزِ اوقاف:

وقفہ: (؛) جب سکتے سے زیادہ ٹھہرنے کی ضرورت ہو وہاں وقفہ استعمال کیا جاتا ہے۔اس کا استعمال درج ذیل مواقع پر ہوتا ہے۔

- جملے کے لمبے لمبے اجزا کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرنے کے لیے۔
- جملوں کے مختلف اجزا پر زیادہ تاکید دینے کے لیے جیسے: تم آؤ گے تو ہمیں خوشی ہوگی؛ نہ آؤ گے، تو صبر کرلیں گے۔
- جن جملوں کے لمبے لمبے اجزا کے درمیان ورنہ، اس لیے، لہٰذا، اگرچہ، حالاں کہ وغیرہ جیسے الفاظ آئیں وہاں ذہن کو سمجھنے کا موقع دینے کے لیے یہ علامت لگائی جاتی ہے۔

NOT FOR SALE

شوکت صدیقی

ولادت: ۱۹۲۳ء وفات: ۲۰۰۶ء

شوکت حسین صدیقی لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ اسلامیہ ہائی سکول لکھنؤ سے میٹرک پاس کیا اور اُس کے بعد ایم۔اے تک پرائیویٹ تعلیم حاصل کی۔قیامِ پاکستان کے بعد لاہور آئے اور پھر کراچی میں رہائش اختیار کی۔اُنھوں نے عملی زندگی کا آغاز صحافت سے کیا۔وہ ترکش، جدید ادب، فیض آباد، ٹائمز آف کراچی، مارننگ نیوز اور الفتح وغیرہ سے منسلک رہے۔

شوکت صدیقی ابتدا ہی سے ادبی ذوق کے مالک تھے۔اُنھوں نے ادبی زندگی کا آغاز افسانہ نگاری سے کیا۔ اُن کے افسانوں کے پہلے مجموعے نے اُن کے مستقبل کی نشاندہی کردی۔وہ بیک وقت ایک افسانہ نگار، ناول نگار، صحافی اور کالم نویس تھے۔ اُن کی ادبی خدمات کے اعتراف میں ''تمغۂ حُسنِ کارکردگی'' اور ''لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ'' عطا کیا گیا۔

شوکت صدیقی نے ناول بھی لکھے اور افسانے بھی۔وہ اُردو ناول کے فکری اور فنی ارتقا کے سلسلے میں ایک اہم نام ہیں۔اُن کے ناول ''خدا کی بستی'' پر اُنھیں آدم جی ایوارڈ ملا۔شوکت صدیقی کی کامیابی کا راز اُن کی حقیقت نگاری ہے۔وہ معاشرے کے تلخ حقائق اور مسائل کو اپنی تحریروں کا موضوع بناتے ہیں۔اس کے علاوہ اُن کی کردار نگاری بھی قابلِ ذکر ہے۔یہ کردار زندۂ جاوید اور ہمارے اردگرد معاشرے میں موجود ہیں۔شوکت صدیقی اپنے افسانوں اور ناولوں میں نہایت سادہ سلجھی ہوئی اور عام فہم زبان استعمال کرتے ہیں۔اُن کے ہاں مکالمہ نگاری، کردار نگاری، جذبات نگاری اور منظر نگاری کے بہترین مرقعے ملتے ہیں۔

تصانیف: تیسرا آدمی، اندھیرا اور اندھیرا، راتوں کا شہر، کیمیا گر، کمیں گاہ، خُدا کی بستی، جانگلوس، چار دیواری، تانتیا، شریف آدمی، رات کی آنکھیں، کوکا بیلی وغیرہ۔

NOT FOR SALE

شوکت صدیقی

سیاہ فام

سڑک کے ایک موڑ سے کئی آوارہ کتے نکل کر زور زور سے بھونکنے لگے اُس نے سامنے نظر ڈالی تو دل دھک سے رہ گیا۔ ایک سایہ کار کی تیز روشنی میں لہرایا۔ اندھیرے میں ایک دردناک انسانی چیخ اُبھری، کار اچانک زور سے اُچھلی اور سڑک کے کنارے لگے ہوئے بجلی کے کھمبے سے جا کر زور سے ٹکرا گئی۔

یہ سب کچھ آناً فاناً ہوا۔ وہ ذرا دیر تک تو ہکا بکا سا اسٹیرنگ پر بت بنا بیٹھا رہا۔ پھر وہ کار سے نکل کر باہر آ گیا۔ سڑک کے بیچوں بیچ کوئی پڑا کراہ رہا تھا وہ سہما ہوا اس کے پاس گیا تاروں کی دھندلی روشنی میں اس نے دیکھا، ایک لمبا چوڑا آدمی اوندھے منہ لیٹا تھا۔ اس کے چاروں طرف خون ہی خون پھیلا ہوا تھا۔ دور دور تک کسی انسان کا پتہ نہ تھا۔ ہر طرف گہرا اندھیرا تھا اور میلوں تک پھیلی ہوئی سنسان سڑک، موقع غنیمت تھا۔ درانی نے کپکپاتے ہاتھوں سے اس کو گھسیٹ کر سڑک کے کنارے کیا اور جلدی سے کار کے اندر جا کر اس کو اسٹارٹ کرنے لگا مگر کار اسٹارٹ نہ ہوئی۔

جب وہ ہر کوشش کے باوجود بھی کار اسٹارٹ نہ کر سکا تو مجبوراً اتر کر نیچے آ گیا۔ ایک بار وہ پھر ڈرتے ڈرتے خون میں ڈوبے ہوئے آدمی کے پاس گیا، اب اس نے کراہنا بند کر دیا اور آنکھیں بند کیے پڑا تھا۔ درانی اس کے قریب وحشت زدہ سا کھڑا سوچتا رہا کہ اب کیا کیا جائے۔ کئی بار اس نے سوچا کہ کار چھوڑ کر وہاں سے پیدل ہی بھاگ کھڑا ہو مگر وہ ایسا نہ کر سکا اس لیے کہ کار کی موجودگی اس کے خلاف پورا پورا ثبوت بہم پہنچا سکتی تھی۔

کوئی پندرہ منٹ بعد سڑک پر موٹر کی روشنی جھلکتی نظر آئی۔

ذرا ہی دیر بعد ایک ٹرک کھڑکھڑاتا ہوا اس کے قریب آ گیا۔ اس نے اپنے حواس درست کیے۔ آگے بڑھ کر ٹرک کو رکوایا اور ڈرائیور کے قریب جا کر کہنے لگا۔

''ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے، مجھ کو فوراً تھانے تک لے چلو۔''

ٹرک کے اندر ڈرائیور کے ہمراہ ایک آدمی اور بیٹھا تھا۔ دونوں نے باہر جھانک کر دیکھا۔ اس کے سامنے

خون میں لتھڑا ہوا ایک کالا کلوٹا آدمی پڑا تھا۔ ذرا آگے بڑھ کر ایک موٹر کھڑی تھی جس کا اگلا حصہ ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔ ڈرائیور نے گھبرا کر پوچھا۔

''بڑا زبردست ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔ کیا ایک دم سامنے آ گیا تھا؟''

درانی تیزی سے بولا۔ ''باتیں کرنے کا وقت نہیں۔ مجھ کو جلدی لے چلو؟''

وہ جھٹ سے ٹرک پر چڑھ گیا اور ٹرک شور کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ تھانہ وہاں سے کوئی میل بھر پر تھا۔ درانی سڑک سے اُتر کر سیدھا تھانہ کے اندر چلا گیا۔ رات کی ڈیوٹی پر جو سب انسپکٹر تعینات تھا دروازے پر ہی درانی سے اس کی مڈبھیڑ ہو گئی۔ وہ اس وقت گشت پر جا رہا تھا۔ درانی نے اس کو علیحدہ لے جا کر حادثہ کی نوعیت بتائی اور جب ذرا اطمینان ہو گیا تو اس کو لیے ڈیوٹی روم میں پہنچا۔ چھوٹے بھائی کو ٹیلیفون پر ہدایت کی کہ وہ اسٹیشن ویگن لے کر فوراً تھانہ آ جائے۔

آدھ گھنٹہ کے اندر اندر اسٹیشن ویگن تھانہ پر موجود تھی۔ درانی اور سب انسپکٹر دو کانسٹیبلوں کے ہمراہ اس میں سوار ہو کر موقع واردات کی طرف چل دیے۔ جب وہ وہاں پہنچے تو سڑک اسی طرح سنسان پڑی تھی۔ وہ آدمی خاک پر بے سدھ پڑا تھا۔ سب انسپکٹر نے اس کے جسم کو چھو کر دیکھا۔ ابھی تک وہ زندہ تھا۔ البتہ بہت سا خون بہہ چکا تھا۔ سب سے پہلا کام یہ کیا گیا کہ زخمی کو اسٹیشن ویگن میں ڈال کر ہسپتال پہنچایا گیا۔

رات کے پچھلے پہر جب درانی گھر پہنچا تو بہت تھکا ہوا تھا۔ ہسپتال سے اس کو یہ رپورٹ مل ہی چکی تھی کہ زخم مہلک نہیں آئے ہیں البتہ ایک ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ کر چکنا چور ہو گئی تھی۔ لہٰذا وہ ایکسیڈنٹ سے بے نیاز ہو کر اس وقت صرف یہ سوچ رہا تھا کہ کار کو جو نقصان پہنچا ہے اس کے عوض بیمہ کمپنی سے کس طرح پانچ ہزار کی رقم وصول کی جائے۔ وہ دیر تک بستر پر پڑا اس کے متعلق اسکیم بناتا رہا۔

یہ تو پتہ نہیں پولیس کے روزنامچے میں حادثے کی کیا رپورٹ درج کی گئی البتہ بعض اخبارات میں اس ایکسیڈنٹ کے متعلق جو خبریں شائع ہوئیں ان میں سے صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ اس آدمی کا نام عبداللہ تھا۔ رکشا چلایا کرتا تھا۔ حادثہ کی رات وہ مالک کو رکشا واپس کر کے گھر لوٹ رہا تھا۔ نکلسن روڈ کے موڑ پر وہ ایک تیز رفتار کار کی

زد میں آ گیا۔ زخم ایسا کاری لگا تھا کہ وہ اسی وقت بے ہوش ہو گیا۔ جب اس کو ہوش آیا تو وہ ہسپتال میں تھا۔

عبداللہ ڈیڑھ ماہ تک سرجیکل وارڈ میں پڑا رہا۔ جس روز اس کو ہسپتال سے چھٹی ملی تو اس کو وہاں لینے صرف اس کی بیوی آئی تھی۔ کالا کلوٹا عبداللہ جس کی ایک ٹانگ کٹ چکی تھی اور جو اب بیساکھی کے سہارے چل رہا تھا۔ اس کا چوڑا چکلا جسم کبڑوں کی طرح جھک گیا تھا۔

اب وہ تمام دن کوٹھڑی میں پڑا کھانستا رہا۔ بات بات پر بیوی سے لڑ پڑتا۔ اس کا رنگ اور سیاہ ہو گیا تھا۔ داڑھی بڑھ کر بے ترتیب ہو گئی تھی۔ آنکھوں سے ہر وقت وحشت برسا کرتی۔ اس کا چہرہ روز بروز خوفناک ہوتا جا رہا تھا۔ ملنے جلنے والے جو از راہ ہمدردی کبھی کبھار اس کے پاس آ کر گھڑی دو گھڑی بیٹھ جاتے تھے۔ اب وہ بھی اس سے کترانے لگے تھے۔

عبداللہ جس محلہ میں رہتا تھا اس کی آبادی زیادہ تر نچلے طبقے کے افراد پر مشتمل تھی۔ بستی میں ہر طرف جھکی ہوئی چھتوں والے نیم پختہ مکانات تھے۔ چند قدیم وضع کی عمارتیں تھیں جو استداد زمانہ سے کھنڈر بن گئی تھیں۔ درمیان میں انگریزوں کا پرانا قبرستان تھا جس کے چاروں طرف پختہ چار دیواری تھی۔ قبرستان میں ایک اُونچی سی لاٹ تھی جس پر سنگ مرمر کا ایک کتبہ آویزاں تھا۔ یہ کسی کرنل کی قبر تھی جس کی تمام زندگی میدان جنگ میں غنیم سے لڑتے گزری تھی مگر اس کی موت خودکشی سے واقع ہوئی تھی۔ محلہ بھر میں مشہور تھا کہ مرنے کے بعد کرنل بھوت بن گیا ہے۔ اکثر سنسان راتوں میں لوگوں نے اس کو گلیوں میں منڈلاتے ہوئے دیکھا تھا۔ سب سے زیادہ دلچسپ بات یہ تھی کہ جب کبھی بھی وہ کسی کو نظر آیا تو اس کی زبان پر ایک ہی سوال ہوتا۔ ”مکھن توش۔“ خدا معلوم اُس کی اِس طلب کا کیا پس منظر تھا البتہ اتنا ضرور ہے کہ جس کسی سے بھی اس کی مڈبھیڑ ہوئی اس نے ہمیشہ یہی آواز سنی۔ اور یہ آواز اتنی خوفناک ہوتی کہ اچھے بھلے جی دار آدمی کے اوسان خطا ہو جاتے اور وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگتا۔ یہی وجہ تھی کہ قبرستان کے احاطہ کے ساتھ ساتھ جو پتلی سی گلی جاتی تھی رات گئے راہ گیر اس سے گزرتے ہوئے ڈرتے تھے۔

اس کے علاوہ محلہ کی دوسری خصوصیت سکینہ بیگم تھیں۔ جن کے شوہر لاکھوں روپے کی جائیداد چھوڑ کر مرے تھے۔ صرف ایک لڑکا تھا وہ بھی چند سال ہوئے کہ گھر سے روٹھ کر چلا گیا تھا۔ بات صرف اتنی تھی کہ اس نے ماں سے

ارہر کی کھچڑی کی فرمائش کی تھی۔ سکینہ بیگم کی اس روز طبیعت کچھ ناساز تھی، باورچی نے کچھ توجہ نہ دی۔ دسترخوان پر کھچڑی نہ پاکر صاحب زادے بغیر کچھ کھائے پیے دسترخوان سے اُٹھ گئے اس کے بعد اُس کو کسی نے نہیں دیکھا۔ البتہ کچھ عرصہ بعد اطلاع ملی کہ وہ ٹرین کے حادثہ میں ہلاک ہو گیا۔ اس بات کے عینی گواہ تھے مگر سکینہ بیگم کسی طرح اس بات کو ماننے پر رضامند نہ تھیں۔ اگر کوئی ایسی بات کہتا بھی تو اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جاتیں۔ ایک سانس میں ہزاروں کوسنے دے ڈالتیں۔ لہٰذا سب نے اس حقیقت کا ان سے اظہار ہی کرنا چھوڑ دیا تھا بلکہ بعض عورتوں نے ان کو ٹھگنا شروع کر دیا وہ آئے دن کوئی نت نیا قصہ گھڑ لاتیں اور ان سے کچھ نہ کچھ اینٹھ کر لے جاتیں۔ ہر تہوار پر وہ اپنے بیٹے کا نیا جوڑا سلواتیں، خاندان کی ہر خوبصورت لڑکی کے لیے اپنے بیٹے کا پیغام دے دیتیں۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کر مشاطائیں بلواتیں اور ان کے ذریعہ بہو تلاش کرواتیں۔ کوئی پوچھتا تو مسکرا کر کہتیں۔ ”بس آنے ہی والا ہے۔ ابھی کل ہی تو ایک شخص آیا تھا جس سے اس نے میری خیریت دریافت کروائی ہے۔“ کبھی کبھی وہ اس کے خط کا بھی حوالہ دیتیں اور پھر مزے لے لے کر خواہ مخواہ ایک طول طویل قصہ سنا ڈالتیں۔ ہر روز وہ اُس کے آنے کا انتظار کرتیں۔ ہر شام ارہر کی کھچڑی تیار ہوتی اور صبح باسی ہو جاتی جس سے محلہ کے کسی مسکین کا پیٹ پل جاتا۔ کئی سال سے یہی سلسلہ چل رہا تھا۔ جب سے عبداللہ ایک ٹانگ سے معذور ہوا تھا اس کھچڑی میں سے اُس کو بھی مل جاتا۔ سویرے ہی سویرے اس کی بیوی بارہ دری کی ڈیوڑھی پر پہنچ جاتی اور جب واپس لوٹتی تو دونوں میاں بیوی کے لیے ایک وقت کے کھانے کا بندوبست ہو جاتا۔

عبداللہ کے دن اسی طرح کٹ رہے تھے اتفاق سے اس کی بیوی بیمار پڑ گئی۔ طبیعت اچانک ایسی گڑبڑ ہوئی کہ چلنے پھرنے سے بھی معذور ہو گئی۔ عبداللہ کو متواتر کئی روز فاقہ کرنا پڑا۔ آخر جب کوئی صورت نظر نہ آئی تو ایک روز رات گئے اس نے بیساکھی سنبھالی اور گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ دسمبر کا مہینہ تھا آسمان پر بادل گھرے ہوئے تھے۔ غضب کی سردی پڑ رہی تھی۔ سرِ شام ہی سے محلہ میں سناٹا پڑ گیا تھا۔ عبداللہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا قبرستان سے ملحق تنگ و تاریک گلی میں داخل ہوا تو اس کو دھندلی روشنی میں کسی آدمی کا سایہ نظر آیا۔ وہ اسی طرف آ رہا تھا۔ عبداللہ وہیں ٹھہر گیا۔ جب وہ قریب آیا تو عبداللہ نے آگے بڑھ کر اپنا ہاتھ اس کے سامنے پھیلا دیا وہ آدمی ٹھٹک کر رہ گیا۔ اس نے عبداللہ

کے چہرے کی جانب دیکھا اور یکبارگی اس کی گھگھی بندھ گئی۔ پھر وہ حلق کے اندر سے نہ جانے کیسی کیسی آوازیں نکالتا ہوا بھاگ کھڑا ہوا۔ گھبراہٹ میں اس کے ہاتھ میں دبا ہوا ایک بنڈل بھی گر پڑا۔

عبداللہ خود بھی گھبرا گیا۔ لمحہ بھر تک وہ سکتے کے سے عالم میں کھڑا رہا پھر اس نے بڑھ کر بنڈل اٹھایا۔ کھول کر دیکھا۔ گرم گرم امرتیاں تھیں۔ عبداللہ کی باچھیں کھل گئیں۔ فوراً ہی گھر پہنچا۔ دونوں میاں بیوی نے مزالے کر امرتیاں کھائیں۔

دوسرے روز رات کو عبداللہ پھر گلی میں پہنچا اس وقت کچھ بوندا باندی ہو رہی تھی۔ اندھیرا بہت گہرا تھا۔ سردی اور بڑھ گئی تھی۔ وہ دیر تک گلی میں کھڑا رہا مگر کوئی بھولے سے بھی اس طرف سے نہیں گزرا۔ سردی کے مارے اس کا جسم کپکپا رہا تھا۔ آخر وہ جب مایوس ہو کر واپس لوٹ رہا تھا تو اچانک ایک مونگ پھلی بیچنے والا گلی میں داخل ہوا۔ عبداللہ نے اس کے قریب جا کر بجائے ہاتھ پھیلانے کے ناک میں منمنا کر کہا۔

''ذرا ٹھہر جانا بھائی!''

عبداللہ کا ہیبت ناک چہرہ، بھوتوں کا سا لہجہ اور سنسان رات۔ اس آدمی پر کچھ ایسا خوف طاری ہوا کہ کئی لمحہ تک تو وہ آنکھیں پھاڑ چیخنے کی بے سود کوشش کرتا رہا اور پھر بے ہوش کر وہیں گر پڑا۔ عبداللہ نے اطمینان سے چادر میں سوا سیر مونگ پھلیاں باندھیں اور چپ چاپ گھر آ گیا۔

ان دو واقعات سے محلہ بھر میں سنسنی پھیل گئی۔ لوگوں میں چرچا ہونے لگا کہ کرنل کا بھوت اب راگیروں کو بہت پریشان کرنے لگا ہے۔ پاس پڑوس کے رہنے والوں پر خاصی دہشت طاری ہو گئی تھی۔ عبداللہ نے اس خوف سے اور بھی فائدہ اٹھایا جب راستے سنسان پڑ جاتے تو وہ چپ چاپ گلی کے اندھیرے میں دبک کر کھڑا ہو جاتا۔ ادھر کوئی راگیر گلی میں داخل ہوا اور وہ اس کی تاک میں لگ گیا۔ قریب آتے ہی وہ بڑی ہیبت ناک آواز میں کہتا۔ ''ٹکھن ٹوش'' اب اس نے باقاعدہ کرنل کے بھوت کا روپ اختیار کر لیا تھا اور اس کا یہ حربہ کارگر بھی ثابت ہوا۔ پہلے وہ صرف کھانے پینے کی چیزوں پر اکتفا کر لیتا تھا پھر ایسا بھی ہوا کہ اگر آدمی بے ہوش ہو جاتا تو وہ اس کی جیبیں ٹٹول کر ساری نقدی اپنے قبضے میں کر لیتا۔

محلہ میں کرنل کے بھوت کا چرچا روز بروز بڑھتا جا رہا تھا۔ لوگوں میں خوف و ہراس زیادہ پھیل گیا تھا۔ ادھر عبداللہ اپنے کام میں اتنا منجھ گیا تھا اور اس کی ہمت اتنی بڑھ گئی تھی کہ اکثر تو وہ چھپ کر آدمی کو دبوچ بھی لیتا تھا کسی کو صرف قہقہہ لگا کر خوف زدہ کر دیتا۔ کسی کی ٹانگ پکڑ کر گھسیٹ لی۔ کسی کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ جیسا موقع ہوتا وہ اسی مناسبت سے نیا حربہ استعمال کرتا۔

پھر ایک وقت ایسا آیا کہ راگیروں نے رات کو قبرستان کے پاس والی گلی سے بالکل گزرنا چھوڑ دیا۔ مگر عبداللہ پر اس کا اثر نہ ہوا۔ اس نے گلی سے باہر نکل کر سنسان راتوں کے اندھیرے میں راگیروں سے اپنا ''ٹیکس'' وصول کرنا شروع کر دیا۔ یہ سلسلہ بھی ایک مدت تک چلتا رہا۔

محلے والے کچھ اس قدر خوفزدہ ہو گئے تھے کہ سرِ شام ہی ہر طرف ہو کا عالم طاری ہو جاتا اور اس ہولناک سناٹے میں عبداللہ اطمینان سے کسی گلی کی نکڑ پر دیوار سے لگا ہوا موجود ہوتا۔ اس کا چہرہ اور بھی خوفناک ہو گیا تھا۔ آنکھوں کی وحشت بڑھ گئی تھی اور آواز میں دم توڑتے ہوئے انسان کا سا کرب پیدا ہو گیا تھا۔ وہ دن بھر کوٹھڑی میں پڑا سویا کرتا اور پھر رات گزرتے ہی کمبل میں سارے جسم کو لپیٹ کر بیساکھی کے سہارے گھر سے باہر آ جاتا اور رات گئے تک سنسان گلیوں کے اندھیرے میں شکار کی تلاش میں مارا مارا پھرتا۔ اتفاق ہوا کہ عبداللہ کو کئی روز تک کوئی شکار نہیں ملا۔ اس کی بیوی نے سکینہ بیگم کے گھر ایک مدت سے آمد و رفت بند کر دی تھی لہٰذا دونوں کو مسلسل کئی وقت کے فاقے کرنے پڑے۔ اس رات عبداللہ بڑی بے چینی کے عالم میں اندھیری گلیوں میں منڈلا رہا تھا رات آدھی سے زیادہ گزر گئی مگر کوئی بھولا بھٹکا راگیر اس کو نہیں ملا۔ اس کی بے چینی اور بڑھ گئی۔ اس لیے کہ اب رات کی وہ گھڑی قریب آ رہی تھی جب صرف گشت کرنے والے کانسٹیبلوں کے بھاری بھاری قدموں کی آہٹ سنائی پڑتی اور جن کی نظروں سے بچنے کے لیے اس کو بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ آخر جب وہ ناامید ہو گیا تو اس نے ایک نئی تجویز سوچی۔ کئی مکانوں کے دروازوں سے کان لگا کر اس نے اندر کی آہٹ لی اور پھر ایک دروازہ پر جا کر آہستہ سے دستک دی لیکن اس وقت وہ خود بھی خوف سے کانپ رہا تھا اس لیے کہ اس دفعہ وہ نیا حربہ آزما رہا تھا۔ جو بے حد خطرناک تھا۔ وہ کرتا بھی کیا۔ اس وقت اس کے علاوہ اور چارہ کار بھی نہ تھا۔

اس نے رک رک کرکئی بار دروازے پر دستک دی۔ ذرا دیر بعد کسی نے اندر سے نیند میں ڈوبی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''کون'' عبداللہ نے آہستہ آہستہ سے کہا۔ ''دروازہ کھولو''

فوراً ہی دروازہ کھل گیا کسی نے اندر سے جھانک کر پوچھا ''کون ہے سامنے آؤ۔'' عبداللہ اندھیرے سے نکل کر ایک دم اس کے سامنے آ گیا اور خوفناک آواز میں بولا۔

''مکھن ٹوش''

اس آدمی کی سٹی گم ہوگئی۔ گلا پھاڑ کر بولا۔ ''باپ رے باپ''

عبداللہ نے اس دفعہ اور بھی بھیانک آواز میں کہا۔ ''مکھن ٹوش''

وہ آدمی یکبارگی چلانے لگا۔ ''بھوت۔ بھوت''

اب سابقہ تجربہ کے پیش نظر عبداللہ کو اب وہاں سے کھسک جانا چاہیے تھا لیکن وہ بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ دروازے پر کھڑا رہا۔ اس نے سوچا کہ اب تو وہ خوفزدہ ہو ہی چکا ہے ایک وار اور کروں گا تو بے ہوش ہو کر گر ہی پڑے گا۔ اس نے انتہائی خوفناک لہجہ میں حلق سے آواز نکالی۔

''ماکھان ٹوش''

اس آدمی پر عبداللہ کی اس خوفناک آواز کا اثر یہ ہوا کہ وہ اور بھی وحشت ناک طریقے سے چیخنے لگا۔ کمرے کے اندر کچھ اور لوگ بھی سو رہے تھے۔ پہلے تو وہ بیدار ہوئے، ذرا دیر سہمے پڑے رہے پھر سب خوف زدہ ہو کر چیخنے لگے۔

''بھوت۔ بھوت''

اتنی بہت سی آوازوں کا شور سن کر عبداللہ بھی گھبرا گیا۔ وہ فوراً ہی دروازہ پر سے ہٹ آیا اور کسی نہ کسی طرح قبرستان کے پاس والی تنگ گلی میں داخل ہوگیا۔ اب آس پاس کے مکانوں میں بھی لوگ جاگ اٹھے تھے۔ کچھ دروازوں سے نکل کر باہر آ گئے تھے۔ کچھ اُونچی آوازوں میں بول رہے تھے۔ عبداللہ نے دیکھا گلی کے دونوں سروں پر ملی جلی آوازوں کا شور ابھر رہا تھا۔ آگے جانے کے بجائے وہ اندھیرے میں دیوار سے چمٹ کر کھڑا ہوگیا۔ کئی سیکنڈ تک وہ اسی عالم میں کھڑا رہا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اچانک کوئی تیزی سے آ کر اس سے ٹکرایا اور پھر

''بھوت۔ بھوت'' کہتا ہوا سرپٹ بھاگا۔

اس کے بعد ایک بارگی بہت سی ملی جلی آوازیں اُبھریں۔

عبداللہ سوچ ہی رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ اچانک ایک پتھر اس کے داہنے کندھے پر آ کر زور سے لگا۔ یہ ابتدا تھی۔ اس کے بعد تو چاروں طرف سے پتھر آ کر گلی میں گرنے لگے۔ اس کے ساتھ ہی ملی جلی آوازیں آ رہی تھیں۔

''گلی میں بھوت ہے''

''وہ دیکھو! کچھ نظر آ رہا ہے۔''

اس کے بعد ''بھوت۔ بھوت'' کا نعرہ پھر بلند ہوا اور پتھروں کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ پتھر برابر آ کر اس کے جسم پر لگ رہے تھے اور ایک پتھر تو اس زور سے اس کے ماتھے پر لگا کہ وہ چکرا کر بیٹھ گیا۔ اسی وقت ایک دوسرا پتھر اس کی کن پٹی پر لگا اور عبداللہ نڈھال ہو کر زمین پر لیٹ گیا۔

قریب ہی ایک بدرو تھا عبداللہ نے سوچا کہ کسی طرح اگر وہ اس میں داخل ہو جائے تو وہ سنگ باری سے بچ جائے گا یہی طے کر کے وہ گھسٹتا ہوا بدرو کی طرح کھسکنے لگا۔ اچانک ایک بڑا سا پتھر اس کے سر پر آ کر گرا اور عبداللہ جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ پھر ایک بارگی وہ گلا پھاڑ کر چیخا۔

''ہائے مرا۔''

اس کے بعد عبداللہ کئی بار چیخا کئی بار اس نے التجا کی لیکن دوسری طرف اس قدر شور تھا کہ کوئی اس کی آواز نہ سن سکا۔ پتھر برابر چلتے رہے۔ لوگ گلا پھاڑ کر چیختے رہے وہ اس وقت کرنل کے بھوت کو سنگسار کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ وہ پاگلوں کی طرح چلا رہے تھے اور گلی کے اندر بے تحاشا پتھر برسا رہے تھے۔ رات کے سناٹے میں اُن کا شور بڑا خوفناک معلوم ہو رہا تھا۔

دوسرے دن محلّہ والوں نے دیکھا۔ گلی کے بیچوں بیچ ایک بے حد غلیظ آدمی منہ اوندھائے پڑا تھا۔ اس کے چاروں طرف پتھر ہی پتھر بکھرے ہوئے تھے۔ اس کے جسم کے ہر حصے پر کالا کالا خون بہہ کر جم گیا تھا۔ اس کا چہرہ بدرو کے اندر تھا اور کیچڑ میں لت پت۔ یہ عبداللہ تھا جو رات ہی کو مر گیا تھا۔

مشق

1. درج ذیل سوالات کے جوابات لکھیں۔

الف۔ ''بُرے کا بُرا انجام'' کے عنوان سے کہانی تحریر کریں۔

ب۔ سکینہ بیگم کے بیٹے کو کیا ہو گیا تھا؟

ج۔ ''مکھن تُوش'' کا نعرہ کس کا تھا؟

د۔ جب کوئی راہگیر ڈر کر بے ہوش ہو جاتا تو عبداللہ کیا کرتا؟

ہ۔ جب لوگوں نے شام کے بعد گھروں سے نکلنا چھوڑ دیا تو عبداللہ نے خوراک کے حصول کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا؟

و۔ ''بھوت'' کا سن کر محلے والوں نے کیا کیا؟

ز۔ عبداللہ کی موت کہاں واقع ہوئی؟

2. خالی جگہ درست روزمرہ کے مطابق پُر کریں۔

الف۔ مگر یہ شخص تو ______ کے فرشتے کی طرح نازل ہوا۔

ب۔ میری آواز خوف سے ___کانپ___ رہی تھی؟

ج۔ دونوں مزے سے ___ٹانگیں___ پھیلا کر سوئیں گے۔

د۔ بلی کی طرح ___لپک___ کر میرا گلا دبوچ لیا۔

ہ۔ میری طبیعت اب ذرا ___سنبھل___ چکی تھی۔

3. مندرجہ ذیل الفاظ وتراکیب کو اپنے جملوں میں استعمال کریں۔

سنسان، مڈبھیڑ، چوڑا چکلا، امتدادِ زمانہ، سنگسار کرنا، ہُو کا عالم، باچھیں کھلنا

4. درج ذیل الفاظ پر اعراب لگائیں۔

نوعیت، غنیم، برافروختہ، سناٹا، مڈبھیڑ، بدرو

5. درج ذیل جملے روزمرہ کے مطابق درست کریں۔

الف۔ چور بمع مال مسروقہ گرفتار ہو گیا۔

ب۔ عمارت کے اُوپر سرکاری پرچم لہرا رہا ہے۔

ج۔ وادیٔ کاغان کے مناظر تو دیکھنے والے ہیں۔

د۔ مجھ کو سمجھ نہیں آتی کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔

ہ۔ مورخہ یکم ستمبر کو میرا کالج کھلے گا۔

6. درج ذیل عبارت میں مناسب مقامات پر رموزِ اوقاف لگائیں۔

سنو بیٹا ملک کو انجینئروں اور ڈاکٹروں کے علاوہ دوسرے شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی بھی ضرورت ہے اس ملک میں کوئی چوٹی کا مؤرخ ماہر اقتصادیات یگانہء روزگار ادیب یا شاعر بہترین بین الاقوامی معیار کا قانون دان یا سیاست دان سائنس دان نہیں ہے یہ سب کچھ تو آرٹس کے شعبے سے متعلق ہے۔

افسانہ:

''افسانہ'' کے لیے انگریزی زبان کے الفاظ **Fiction** اور **Short Story** استعمال ہوتے ہیں۔ یہ ناول اور داستان کی نوعیت (قسم) سے تعلق رکھتا ہے۔ مگر جہاں ناول ایک پورے جہان کو اپنے اندر سمو لیتا ہے۔ وہاں افسانہ اس جہانِ انسانی کی زندگی کا صرف ایک پہلو یا معاشرتی، معاشی اور سیاسی مسائل کا صرف ایک رُخ پیش کرتا ہے۔ پس ہم افسانہ کی تعریف یوں پیش کرتے ہیں:

''افسانہ ادب کی وہ صنف ہے جو زندگی، کردار یا واقعہ کے کسی ایک پہلو کو مکمل طور پر اس طرح پیش کرتا ہے کہ اسے ایک ہی نشست میں پڑھا جا سکے''۔

یعنی افسانہ وہ مختصر کہانی ہے جسے آدھے گھنٹے سے لے کر ایک یا دو گھنٹے میں پڑھا جا سکتا ہے۔ یہ کسی شخص کی زندگی کے اہم اور دلچسپ واقعے کو فنی شکل میں پیش کرتا ہے۔ اس واقعے کے بیان میں ابتدا، عروج اور خاتمہ شامل ہے۔